Article

Nawab Sayyal: Punjabi Poet of Classical Style

نواب سیال: کلاسیکی اسلوب کا پنجابی شاعر

Dr. Zafar Hussain Harral *[1]
Associate Professor ,Department of Urdu,Baha-Ud-Din Zakriya Univesity Multan
Ayesha Kanwal *[2]
PhD Scholar ,Department of Urdu ,GC University Faisalabad

.1ڈاکٹر ظفر حسین ہرل
ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو، بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان
-2عائشہ کنول
پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اردو، جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد

Correspondanance: zafarharral@yahoo.com

eISSN:**3005-3757**
pISSN: **3005-3765**

Received: 20-01-2024
Accepted:25-03-2024
Online:28-03-2024

Copyright:© 2023 by the authors. This is an access-openarticle distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

Abstract: This article explores the life and litrary services rendered by Nawaab Siyal.He is an excelent poet of Punjabi language.He has a vast circle of followers.Unluckily his work could not be published in his lifetime as a result of which his work could not be known among the literary circles. This article is meant to introduce Nawaab Siyal in the literary domains so that curiosity may be aroused about the poetry and the personality of this great poet. It is a research article in which I confined myself to the personality, the poetry of the poet and have attempted to established that Nawaab Siyal is a poet of classical style.

KEYWORDS: Nawab Sayyal , Poetry, Literature, Region, Chiniot, Classical, Modern, Style, Theme, Symbole

ادبی تحقیق میں غیر دریافت ادبی متون کی تلاش اور ان کی تدوین ہمیشہ سے اہمیت کی حامل رہی ہے۔ان متون کے ذریعے نہ صرف ادبی تاریخ کو مرتب کرنے میں مدد ملتی ہے بلکہ نئے نئے لسانی پہلو بھی سامنے آتے ہیں۔اپنے سماجی، علمی اور تاریخی منصب کی بنا پر یہ ادبی متون نئی تحقیق میں معاون ثابت ہوتے ہیں اور ادبی اور علمی سرمایہ میں اضافے کا موجب بنتے ہیں۔نو دریافت ادبی متون کے تخلیق کاروں کی ادبی حیثیت، فنی رجحانات، ادبی اسلوب اور ان کی تخلیقات سے ان کے دور کے سماجی صورت حال، اجتماعی لاشعور اور فکری روایت کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے جو موجودہ ادبی و سماجی منظر نامے کی سمت متعین کرنے کیلیے راہنمائی فراہم کرتی ہے۔یہی صورت حال ان شعراء اور نثر نگاروں کی ہے جن کی تخلیقات ابھی تک زیور طبع سے آراستہ ہو کر اہل نظر تک رسائی حاصل نہیں کر پائیں ان کا تعارف بھی ادبی منظر نامے میں نہ صرف اضافے کا سبب بنتا ہے بلکہ نئے تحقیقی سوالات کو بھی جنم دیتا ہے۔ہماری ادبی تاریخ ایسی بے شمار مثالوں سے بھری پڑی ہے۔

اس سلسلے میں مقامی محققین سے پہلے مستشرقین کی قابل قدر خدمات کو کسی بھی صورت میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔اس کی ایک مثال نوآبادیاتی دور کے گورنر پنجاب سر ایڈورڈ میکلیگن کی ہے جنھوں نے مشرقی ادبی روایت اور لوک ورثہ کی جستجو میں، تا کہ اس خطہ کے اجتماعی لاشعور، لوک دانش اور فکری شیرازہ بندی کو سمجھا جا سکے، نجابت ہرل کی ۱۷۴۱ء[۱] میں لکھی ہوئی "پوڑی نادر شاہ" کا پتا چلایا اور ۱۸۹۲ء میں اس 'وار' کے ۱۶۱ مصرعے اکٹھے کر کے لکھے[۲]۔بعد میں اس وار کے کچھ حصے "نادر شاہ دی پوڑی" کے نام سے ۱۹۰۰ء میں خالصہ ینگ مین میگزین میں چھپے۔گورنمنٹ کالج لاہور کے پروفیسر باوا کرتار سنگھ، پنڈت ہری کشن کول اور ڈاکٹر فقیر محمد نے بھی اس وار پر کام کیا اور چھپوایا اور اس کے نامکمل و غیر مستند ہونے کا اظہار بھی کیا، ساتھ ہی اس 'وار' کی فنی، ادبی اور تاریخی اہمیت سے اہل علم کو روشناس کروایا[۳]۔اس 'وار' کی تاریخی و ادبی حیثیت کی اہمیت کو پہچانتے ہوئے پاکستان پنجابی ادبی بورڈ لاہور نے مکمل اور مستند "پوڑی نادر شاہ" کی تلاش کیلئے کوشش کی تا کہ اس کے مستند متن کو علمی دنیا سے متعارف کروایا جا سکے۔اس وقت کے سیکریٹری بورڈ اس 'وار' کی جستجو میں نواب علی نوابؔ سیال تک پہنچے جو اپنے قلمی نام نوابؔ سیال سے پہچانے جاتے تھے۔نوابؔ سیال نے اس 'وار' کا مکمل و مستند متن جو انہوں نے ۴۵ سال کی تحقیق کے بعد مدوّن کیا تھا، بورڈ کو اشاعت کی غرض سے دیا۔یہ متن 'نادر شاہ دی وار سودھن ہار نوابؔ سیال" کے نام سے ۱۹۸۹ء میں پاکستان پنجابی ادبی بورڈ لاہور سے طبع ہوا[۴]۔کلیات نواب سیال "ان تلے موتی" کے نام سے راقم نے مرتب کیا ہے جو شعبہ اردو بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان سے ۲۰۱۱ء میں شائع ہوا[۵]۔

نواب علی نوابؔ سیال محقق و مدوّن اور قادر سخن شاعر تھے۔ وہ جنوری ۱۹۲۵ء میں ضلع جھنگ کے دورافتادہ گائوں چک نمبر ۱۸۴، ج ب میں پیدا ہوئے، ان کے والد کا نام مہر عادل خان تھا۔ ان کا تعلق سیال راجپوت قوم سے تھا، مہر عادل خان کے تین بیٹے تھر اج خان، نواب علی اور غلام فرید تھے۔ نواب علی منجھلے تھے۔ مہر عادل خان گاؤں کا متمول کاشتکار تھا۔ نواب سیال نے ہوش سنبھالنے پر اپنے والد کے ساتھ کاشتکاری کے کاموں میں ہاتھ بٹانا شروع کیا چنانچہ روایتی سکول اور مسجد کی تعلیم سے محروم رہے۔ چودہ پندرہ سال کی عمر تک یہی مشغلہ رہا، بتدریج کھیتی باڑی کے کاموں میں دلچسپی کم ہوئی اور طبعیت لکھنے پڑھنے کی طرف مائل ہوئی۔ بڑے بھائی تھراج خان سے، جو اس وقت تک مڈل کا امتحان پاس کر چکے تھے، ابتدائی حروف سے شناسائی حاصل کی اور پڑھنا لکھنا سیکھا۔ وہ مختلف کتابوں سے حروف اور الفاظ دیکھ کر انگلی کی مدد سے زمین پر لکھتے رہتے تھے[۶]۔ بہت جلد اردو، پنجابی اور قرآن حکیم پڑھنے کے قابل ہو گئے۔ اور ذاتی استطاعت سے فارسی، اردو اور پنجابی زبان پر عبور حاصل کیا۔ پندرہ سولہ سال کی عمر میں شاعری شروع کی اور نوابؔ تخلص کیا۔ اب کھیتی باڑی کے کام سے نوابؔ سیال مکمل لا تعلق سا ہونے لگا۔ دن بھر آوارہ گردی، مختلف کتابوں کی تلاش اور کسی بھی پڑھے لکھے فرد کی صحبت اس کو بھانے لگی۔ انھیں کتابوں سے عشق تھا اور اہل علم سے ملاقات کی جستجو رکھتے تھے۔ اگر کہیں کسی مطلوب کتاب کا علم ہوتا تو اس کے حصول کے لیے بھرپور کوشش کرتے۔ مولانا رومیؔ، حافظؔ، میرؔ، میر انیسؔ، غالبؔ، اقبالؔ، وارث شاہ، نجابتؔ، فضل شاہ نواں کوٹی اور میاں محمد بخش پسندیدہ شاعر تھے (۷)۔ فارسی، اردو اور پنجابی شاعری کی کتابوں کے ساتھ ساتھ علمی، تاریخی اور مذہبی کتابیں ان کے زیر مطالعہ رہیں۔

نوابؔ سیال نے ابتدا میں اردو اور پنجابی دونوں زبانوں میں طبع آزمائی کی۔ جلد ہی کلی طور پر پنجابی کی طرف متوجہ ہوئے۔ اپنی محنت اور خداداد صلاحیتوں کی بنا پر نہ صرف فارسی اور اردو زبانیں سیکھیں بلکہ فارسی، اردو اور پنجابی کلاسیکی شعری سرمایہ کا بھرپور مطالعہ بھی کیا، نوابؔ سیال کی یاداشت غضب کی تھی صرف ایک دفعہ کا پڑھا ہوا ذہن پر نقش ہو جاتا تھا۔ وہ حقیقی معنوں میں Video Taping Memory کے مالک تھے۔ بے پناہ یاداشت، زبردست تجزیاتی و منطقی صلاحیت، وسیع و تیز مطالعہ اور جزئیات بینی نے انتہائی زود فہمی کی صلاحیت اور حاضر جوابی کی خوبی پیدا کر دی۔ دور دور سے لوگ ان سے علمی و مذہبی مسائل اور پہیلیاں پوچھنے کیلئے آنے لگے[۸]۔

نواب علی نوابؔ سیال اب نہ صرف اپنے معاشی مسائل اور کھیتی باڑی کے کاموں سے بیگانہ تھا بلکہ آہستہ آہستہ خود سے بھی بیگانہ ہوتے گئے۔ ان کا قد لمبا، چھریرا جسم، رنگ گندمی، پاٹ دار آواز اور دائیں آنکھ بینائی سے قریب محروم تھی۔ مسجد کے ملّا کے سخت خلاف اور اس کی کم علمی پر برہم، حقّے کے رسیا، مسجد سے دور نماز اور روزہ کیلئے بمشکل تیار لیکن فقہ، شریعت، فلسفہ اور تصوف کے مسائل پر پُر مغز معلومات اور حتمی رائے کے حامل تھے۔ کم گو اور وسیع المشرب تھے، عام طور پر خاموش رہنا اور بیٹھک پر الگ تھلگ چارپائی پر ٹانگیں سمیٹے پڑے رہنا اُن کی عادت تھی۔ جب کبھی جی چاہتا تو اپنے دوستوں کی مجلس میں حقّے کی نے ہاتھ میں لیے آنکھیں بند کر کے انگشت شہادت کو تال دینے کے انداز میں ہلاتے مسلسل اپنا اور دوسرے کلاسیکی پنجابی اردو اور فارسی شعرا کا کلام سناتے رہتے[۹]۔ انہیں مولانا روم، حافظ شیرازی

،وارث شاہ، پر فضل شاہ نواں کوٹی، مولوی دلپذیر، میر تقی میرؔ، غالبؔ اور اقبال کے بے شمار اشعار یاد تھے۔ نوابؔ سیال نے ولیؔ دکنی سے لیکر جوشؔ ملیح آبادی تک تمام اردو شعرا کو پڑھا تھا، وہ غالبؔ کو بیباک شاعر کہا کرتے تھے۔ میر انیسؔ اور میر دبیرؔ میں سے میر انیسؔ کو پسند کرتے تھے ان کے خیال میں میر دبیرؔ دقیق زبان استعمال کرتے تھے اور اسی لیے ان کی مقبولیت میر انیسؔ کے مقابلے میں زیادہ نہ تھی۔ موسیقی سے نہ صرف دلچسپی تھی بلکہ اس پر کسی ماہر موسیقار کی طرح گفتگو کرتے تھے(۱۰)۔ نوابؔ سیال کی دلچسپی کا ایک اور میدان مختلف قسم کی پہیلیاں اور معمے بنانا اور لوگوں کی بنائی ہوئیں پہیلیاں بوجھنا تھا۔ دیہاتوں میں یہ روایت عام ہے اور خیال کیا جاتا ہے کہ ہر پڑھے لکھے کو پہیلیاں بوجھنے کا ملکہ ضرور حاصل ہونا چاہیے۔ نوابؔ سیال کو بھی پہیلیوں سے خاصی دلچسپی تھی اور وہ ان کو بوجھنے میں ملکہ رکھتے تھے۔ آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی پہیلی ان سے نہ بوجھی جا سکی ہو لیکن ان کی ایک پہیلی خاصی مشہور تھی جو حل طلب ہی رہی اور ان سے تعلق رکھنے والے تمام لوگوں کو یاد ہے۔

اک قلعہ نہ در نہ دیوار
چار برج تے چھیاسٹھ مینار
تین وا کسٹھ کرو مسمار
پھر بھی رہے قلعہ بر قرار
جے کوئی لیاوے شک اویار
نال نوابؔ دے کرے تکرار(۱۱)

نوابؔ سیال زود گو اور قادرالکلام شاعر تھے۔ بعض اوقات لمحوں میں کئی کئی بند لکھ ڈالتے، کہتے تھے کہ میرے دل پر شاعری ایسے برستی ہے جیسے ساون کے مہینے میں پھوار برستی ہے، ان کے کئی دوستوں نے 'پھوار' کا لفظ خاص طور پر برتا اور کہا کہ وہ یہی لفظ استعمال کرتے تھے۔ انہوں نے مختلف قدیم اصناف شاعری کو طبع آزمائی کے لیے چنا اور اپنی قادر الکلامی کے جوہر دکھائے۔ اپنے دوست کو لکھے گئے منظوم خط میں شاعری کے فنی پہلو کے متعلق لکھتے ہیں :

شعر بولناں وا داوزن کرناں، کم ڈھکیاں نہیں کلاچیاں دا
کنڈی چاہڑ صراف جیوں دس دیندا، بھار وٹیاں تُلیاں جاچیاں دا
ٹُرٹاں شعر دا ہے جویں وا اگے، ہوندا حال ہے کُپیاں گاچیاں دا
تول وزن دے وچ جے فرق ہووے، ٹھپہ ٹھیک نہیں لگدا ساچیاں دا(۱۲)

ان کے نزدیک شاعری گو ایک وہبی عطیہ ہے لیکن اس کے فنی پہلوؤں کو بھی کسی صورت میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، فن ہی دراصل شاعری کو زندہ رکھنے اور اس کو آفاقیت عطا کرنے کا سبب بنتا ہے۔ نوابؔ سیال کی شعری تخلیقات میں منقبت حضرت علیؑ، سلام بحضور حضرت امام حسینؑ، جھگڑا مچھرتے انسان، مثنوی بہار گلشن، داستان سسّی، ساندل بار دی وار، وار شیطان نامہ، تصویرِ غم، اتھروں دا دریا، صفات راہنما، الیکشن دی نظم، حالاتِ حاضرہ پر تبصرہ، منظوم

خطوط، قطعات، رباعیات، رومانوی و صوفیانہ دوہڑے، سہرا، نامہ فراق، 'نادر شاہ دی وار' پر تبصرہ و تقریظ، تبصرہ پوڑی نواب مظفر از شاہ عظیم قریشی، نظم الوداع (اردو)، یومِ آزادی (اردو)، اور قطعہ تاریخِ وفات (اردو، فارسی) شامل ہیں (۱۳)۔ پنجاب کی روایات اور پنجابی زبان و ادب سے محبت کرنے والا یہ منفرد شاعر اپنی وراثت میں متنوع شعری جائیداد چھوڑ کر ۱۰۔جون ۱۹۹۴ء کو اس دار فانی سے رخصت ہوا۔ انکو آبائی قبرستان 'ملک مرید' میں ۱۱ جون کو دفن کیا گیا[۱۴]۔

ان تخلیقات کی سب سے بنیادی خوبی ان کی شعری ہیئت ہے، تمام تخلیقات میں کہیں ایک جگہ جو ہیئت استعمال کی گئی ہے وہ دوبارہ کہیں بھی نہیں برتی گئی اسی طرح بحروں کے استعمال میں بھی خیال رکھا گیا ہے کہ ایک دفعہ استعمال کی گئی بحر دوبارہ کبھی بھی استعمال نہیں کی گئی۔ فنی مہارت کی ایسی مثال پنجابی ادب میں ملنا بہت ہی مشکل ہے۔ نواب سیال کے فنی کمالات کے بارے میں دوسری اہم بات مختلف تخلیقات میں قافیہ کا چناؤ ہے۔ مثلاً 'مثنوی بہار گلشن' اور 'جھگڑا مجھرتے انسان' میں اشعار کی تعداد سینکڑوں تک ہے مگر کمال فنی مہارت اور زبان پر قدرت کی بنا پر نواب سیال نے ایک قافیہ کہیں بھی دو بار استعمال نہیں کیا۔ مثلاً 'مثنوی بہار گلشن' کے ۵۷۴ مصرعوں میں الگ الگ قافیہ برتنا، ردیف کے ساتھ اس کا بامعنی ربط پیدا کرنا اور وزن و موسیقیت کو نبھانا واقعی مشکل عمل ہے۔ ان کی تمام تخلیقات جیسا کہ اوپر دیئے گئے عنوانات سے ظاہر ہے، کلاسیکی اسلوب کی ہیں۔ نواب سیال نے نہ صرف کلاسیکی لہجہ اور اسلوب اپنایا بلکہ شعری اوزان میں قدیم دیسی چھند بھی استعمال کیے۔ جس کی خوبصورت مثال انکی نظم 'ساندل بار دی وار' ہے۔ یہ وار کل ۳۱ 'پوڑیوں' جن میں ۴۰۶ مصرعے ہیں، پر مشتمل ہے۔ جس میں نواب نے 'دوانگی' اور 'سرکنڈی' اٹ استعمال کی ہے دونوں چھند خاص طور پر 'وار' کے لیے مخصوص ہیں اور قریب قریب تمام قدیم 'واریں' انہیں میں لکھیں گئی ہیں[۱۵]۔ 'وار' کو پڑھنے کا بھی ایک مخصوص قدیم انداز ہے جو جوش اور ولولہ سے معمور ہے۔ اس وار میں زبان کے خوبصورت استعمال کے ساتھ ساتھ لہجے کی روانی و بیانیہ انداز اور خوبصورت و فکر انگیز فضا کے علاوہ اس دھرتی کا اجتماعی شعور، معاشرتی تنظیم اور تاریخی بیانیہ نمایاں نظر آتا ہے وہ تاریخی بیانیہ نہیں جو مقتدر طبقہ کے لیے رقم کیا جاتا ہے بلکہ وہ تاریخ جو محروم طبقوں کی ہے۔ اس 'وار' میں پنجاب کی مٹی کی روح و ابدی دلکشی اور چناب کے مخصوس رومانوی اثر نے 'دوآبہ رچنا' (۱۶) کے خالص مشرقی مزاج کے ساتھ مل کر جادوئی تاثیر پیدا کر کے اس کو لافانی بنا دیا ہے:

ساندل بار سہاونی، وِچ جُوہاں ہریاں
گھاہاں دا کجھ انت نہ، اُٹھ مجھیں چریاں
اوہ بنھ قطاراں چر دیاں، ڈار حوراں پریاں
جیویں ساونؔ گھٹاں کالیاں، اسمانوں چڑھیاں
جد ڈیہلے پکن وناں دے، رنگ سہاونؔ کریاں
جیویں بُندے کنّیں کواریاں، وچ زُلفاں اڑیاں

صدی رسولؐ خدا دی، چڑھ پئی چودھویں
تاں میں ہوئی فریادی، ساندل بار دی
اولاد آدم حوّا دی، وِرلی وسدی
وسّن لوک فسادی، کردے چوریاں
رہی نہ دل وچ شادی، اس اندوہ تھیں
ساندل بے منیادی، میرا نام ہے (۱۷)

یہاں نواب سیال نے جنگل میں گھاس چرتی بھینسوں اور 'ون' پر پکے ڈیہلوں کو جیسے ساون کی کالی گھٹاؤں اور کنواری لڑکی کے کانوں کے بُندوں میں پھنسی ہوئی زلفوں سے تشبیہ دی ہے وہ انکے روایتی اسلوب کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اس تشبیہ کا تعلق پنجاب کے دیہاتوں میں صدیوں سے چلی آ رہی اس روایت سے ہے کہ کنواری لڑکی شادی ہونے تک کانوں میں سونے کا زیور نہیں پہنے گی بلکہ وہ صرف چاندی کے بُندے ہی اپنی زیبائش کے لیے استعمال کرے گی اور یہ اس کے کنوار پنّے کی علامت ہوتی ہے۔ نواب سیال کی تمام شعری علامات و تشبیہات اسی مٹی اور تہذیب سے جڑی ہوئی اور اخذ شدہ ہیں۔ مزید دیکھیں تو پہلی پوڑی کے مصرعے ساندل بار کے باسیوں کے اجتماعی مزاج، شعور، معاشرت اور سماجی حیثیت کا شعور دیتے ہیں۔ آخری مصرعہ میں 'ساندل بے منیادی' یعنی وہ کلچر جو اس بار کی شناخت ہے بے بنیاد ہے اور ختم ہونے والا ہے، کی ترکیب اس خطہ کے پورے اجتماعی شعور کی طرف فکر انگیز اشارہ ہے۔ یہ وہ وقت تھا جب نوآبادیاتی حکمران پنجاب کو آبادکاری کے نام پر کینال کالونی بنا کر مستقبل کی غذائی ضروریات کی فراہمی کو یقینی بنانا چاہتے تھے۔ اس وار میں انہی حالات کو نظم کیا گیا ہے۔ پوری وار بلا شبہ پنجاب کے قدیم دیہی مزاج، تہذیب و تمدن، کاشتکاری کے پس منظر، اخلاق و عرفان اور انسانی دکھوں و سکھوں کو سمجھنے میں بنیادی مآخذ کا کام دیتی ہے۔

اسی طرح ان کی ایک نظم 'وار شیطان نامہ' اپنے اسلوب، شعری ہیئت، مزاج، سلاست زبان اور فنی اعتبار سے خاصے کی چیز ہے۔ اس نظم میں نواب سیال کا فنی کمال، قدیم کلاسیکی لہجہ، لفظوں کا انتخاب، علمیت، عمرانی شعور، نفسیاتی واقفیت، گہرا مشاہدہ اور مذہبی وابستگی کھل کر قاری پر عیاں ہوتی ہے۔ یہ ۱۹۸۷ء میں پنجاب میں ہونے والے بلدیاتی انتخابات کے سیاسی معرکہ سے متعلق ہے لیکن اس نظم کو اس کی فنی پیشکش، اسلوب، زبان اور شعری محاسن نے اس طرح انفرادیت بخشی ہے کہ یہ ایک لازوال فن پارہ بن گئی ہے۔ پوری نظم ۸۸ پوڑیوں پر مشتمل ہے اور ساری کی ساری 'سرکھنڈی اٹ' میں لکھی گئی ہے۔ اس ہیئت میں وسرام (وقفہ) سے پہلے والے چرن (ٹکڑے) کے آخر میں قافیہ کی پابندی کی جاتی ہے اور چال بنا کر پوری 'پوڑی' اس کے مطابق کہی جاتی ہے، یہاں شاعر نے 'وار' کی تمام پوڑیاں اسی چال کے مطابق لکھی ہیں اور اس میں جوش، ولولہ، جذبہ، خطابت، لوچ، گھلاوٹ، سوز اور موسیقی پیدا کر دی ہے۔ جو بجائے خود فنی معراج کی دلیل ہے:

خان ایوب بنایا، بی ڈی سسٹم

اس ڈنڈا خوب چلایا، اپنے دور وچہ
یحیٰی وقت نبھایا، عیش سرور وچہ
چابنگال کھوہایا، حصہ ملک دا

لکھیا جو فرمایا، کارل مارکس
پکڑ ہتھیں 'سرمایہ'، اس کتاب جو

ملیا حق بنیادی، کُل جمہور نوں
لونڈی تے شہزادی، رہیا فرق نہ
شاہ فرزیں پیادی ہکسے شان دے
بالغ نَر تے مادی، خوشی مناوندے

پونی قیمت بھاری، دوجے ممبراں
لیلے جویں وپاری، پھرن خرید دے

آیا جدوں زوال، سر بنگال تے
چھڑیا جنگ جدال، نال نواب دے
بھج کلایو نال، جعفر مل گیا
دتی کر قتال، عام فرنگیاں
پھر گئے وانگ دجال، اندر ملک دے

اگے پھیر ودھائے، قدم فرنگیاں
ڈورے سارے پائے، ہندوستان تے
ہک رفیق بنائے، ہکناں چھوڑیا
آپس وچہ بھڑائے، ہندی پھوڑ کے
راجے رانے لائے، اگے چِک کے
خان امیر جھکائے، وِن تلوارے دے

باندر وانگ نچائے، ہندوستانے

نہ کوئی لوہا چائے، ہووے ساہمناں (۱۸)

یوں تو ساری نظم فکر انگیز بھی ہے اور فنی کمالات کا منہ بولتا ثبوت بھی لیکن چند مصرعے خصوصی توجہ کے طلب گار ہیں مثلاً جن میں کارل مارکس اور اسکی مشہورِ زمانہ کتاب 'سرمایہ' کا حوالہ، مشرقی پاکستان کے الگ ہونے کا ذمہ دار یحییٰ خان کو قرار دینا، جمہوریت میں شہزادی اور لونڈی کا برابر ووٹ کا حقدار ہونا، شطرنج کے دو مہروں فرزین اور پیادے کی برابر اہمیت اور پاکستان کے ہر بالغ مرد عورت کو ووٹ کا برابر حق ملنا، اہمیت کا حامل ہے۔ خاص طور پر ہارس ٹریڈنگ کی اصطلاح کے مروج ہونے سے بہت پہلے اس کے لیے 'بیوپاری اور لیلے' کی تشبیہات کا استعمال شاعر کی فکری حیثیت کا غماز ہے۔

نظم کے اگلی دو پوڑیوں کے محولہ بالا مصرعے شاعر کی فکری پختگی، سماجی شعور اور تاریخی واقفیت کا ثبوت ہیں۔ ان میں جس طرح بنگال پر ایسٹ انڈیا کمپنی کی فتح، نواب جعفر کی غداری اور انگریزوں کو دجال کے برابر قرار دینا تاریخی شعور کا مرہون منت ہے۔ دوسرے حصہ میں ہندوستان کی سیاسی صورت حال کا تجزیہ اور انگریزوں کی 'تقسیم کرو اور حکومت کرو' کی حکمت عملی کو جس شاعرانہ فنی چابکدستی سے پیش کیا گیا وہ قابل تحسین ہے لیکن آخری مصرعہ " نہ کوئی لوہا چائے، ہووے ساہمناں" خصوصی توجہ کا طلبگار ہے جس میں ہندوستان کی اس وقت کی پوری فوجی وسیاسی صورت حال کی شاعرانہ پیشکش بلاغت کی معراج ہے یعنی پورے ہندوستان میں ایسا کوئی مرد جری موجود نہیں جو تلوار اٹھا کر مقابلہ کرنے کو تیار ہو۔

نوابؔ کی تمام شعری تخلیقات ایسے حوالوں سے بھری ہوئی ہیں لیکن ان سب تخلیقات کا تفصیلی تجزیہ اور تعارف یہاں ممکن نہیں صرف چند کے اقتباسات بطور نمونہ درج کیے جاتے ہیں تا کہ پنجابی کے اس کلاسیکی اسلوب کے گمنام شاعر کی ادبی اور فنی قدر و منزلت متعین کرنے میں معاون ہوں۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا کے مصداق انتہائی مختصر نمونہ کلام درج ہے:

پہلوں گل بیٹھوں چھیڑ، کر ٹھاتے بکھیڑ، زخم اُلڑے اُچیڑ، کریں مرہم دا سامان جی

دَسّاں کھول کَن دَھر، شرف شان جو بشر، عالی مرتبہ قدر، جانئیں توں کی نادان جی

کھول اکھیں ویکھ تک، پئے سجدے ملک، عزازیل گیا جھک، تاہیں بنیاں شیطان جی

چھوٹا منہ وڈی بات، کھول اکھیں مار جھات، بندہ شاہ کائنات، دَسّے رب دا قرآن جی

توں ناچیز تے حقیر، دَس تیری کی توقیر، کہے موذی تے شریر، تینوں جملہ جہان جی
دَسّاں کھول کے بیان، پیدا حضرت انسان، کیتا عشق دِے ہے کانْ، خود خالق یزدان جی
پہلے مَلک بیشمار، کئی قطار در قطار، کردے ذکر اذکار، رہے حق سبحان جی
بُت آدمؑ دابنایا، جھیڑا املکاں نے لایا، اگوں رب فرمایا، جانوں تُسیں نہ انجان جی
لَکھاں دُکھ دَرد غم، لَیسیں جَھل اُتے دَم، کرسیں یاد دَم دَم، ہو سو ویکھ کے حیران جی (۱۹)

غضب الٰہی ہے تیغ حیدر، قضا قدر دا پیام بے شک
بَرق بھی ہووے غرق پسینے جے چھوڑ نکلے نیام بے شک
اُلٹ پلٹ دی پلٹ جھپٹ دی، شاہینہ تک کے حُمام بے شک
کپیندی لشکر تے فیل گھوڑے، اُلٹ دی تنبو خیام بے شک
چھپاوے چہرہ چادر کے سورج، بناوے صبح دی شام بے شک
بس ایک مُشتے ہزار کُشتے، لگاوے پُشتے حِسام بے شک
جما کے قبضہ میدان رَن تے، چلاوے اپنا نظام بے شک
نظارہ تک کے اوارہ ہویا، ستارہ فلکی بہرام بے شک
کفار بھجدے غبار اُڈدے، بکھر دے پھٹ کے عُمام بے شک
منایا ہر ہر جا سوگ ماتم، مچایا گھر گھر کہرام بے شک
پروگئے موتی بنا مناقب، ہزاراں شعر اکرام بے شک
نواب بدلے علیؓ دی مدحت، بہشت ملدا انعام بے شک (۲۰)

رُڑھدا جدوں صندوق سَسّی دا، آیا شوہ دریا دی چَھن وچہ، گھیر گُھمن وچہ
ہویا عشق سلامی آکے، خوف نہ رکھیں من وچہ، آکھے کَن وچہ
دھوبیاں دے گھر پلسیں سَسّیئے، جویں تازہ گل چمن وچہ، ناز امن وچہ
وت مرسیں ہوت بلوچ ڈھوڈھیندی، تھل مارو دے بَن وچہ، سفر کٹھن وچہ

لج و نتی شر میلی سسّی، بند مٹی کلی قباوچہ، شرم حیاوچہ
سیمیں ساق تے ران روپہری، لف لچکے کمر ہواوچہ، بادصباوچہ
باہیں گول سفید دو مچھیاں، وتن امرت دے دریاوچہ، آب بقاوچہ
برگ چنار ہتھاں دیاں تلیاں، رنگ رنگیاں سرخ حناوچ، رنگ صفاوچہ

ظالم ہوت گئے لُٹ خوشیاں، چاہڑ ہجر دی کَس گئے، محمل کَس گئے
قیدی کرکے خان پنل نوں، مشکاں باہیں کَس گئے، کربے کَس گئے
سونے جیہی دیہی اُتے، پھیر ہجر دی کَس گئے، لاکے کَس گئے
نازک بدن ملوک پری تے، تیر ظلم دے کَس گئے، چھوڑنہ کَس گئے

ورق گلاب سسّی دیاں تلیاں، لکھے گِن گِن حرف ہزاراں، رَل مِل خاراں
عشق بلوچ تے ستم رلاکے، اُتے نقطے پائے یاراں، لکھ قطاراں
لاحاصل آس وصل دی سسّی، لاسود طمع دلداراں، سِک اسواراں
کیتی ختم عبارت فرقت تے، بس میل نہ لکھیا یاراں، تے غمخواراں (۲۱)

نواب سیال نے پنجابی کے علاوہ اردو اور فارسی میں بھی طبع آزمائی کی لیکن ان کا اصل میدان پنجابی ہی رہا۔ ان کی فنی مہارت اور قادر کلامی کے ثبوت کے طور پر فارسی اور اردو زبان کا ایک ایک قطعہ تاریخ درج کیا جاتا ہے۔ جس میں انہوں نے تاریخ پیدائش، عمر اور تاریخ وفات نکالی ہے:

ایں مرقدِ بہائے خان است
پورِ خدا بخش ووالا تبار
سال ولادت باسعادت او
’بادشاہ بخت‘ (ا) بصد افتخار
’بو عابد‘ (ب) وخوئے پاکبازاں
بو تا عابد عمر او بشمار
گفت ہاتف بگو تاریخ وفات
بہشت می رسد بہ ’لطفِ غفار‘ (ج)

آئے چلے گئے جہاں ناپائیدار سے
گزرے ہیں کتنے کارواں اس رہگذار سے
ممتاز شخصیت رہا تو اپنی قوم میں
اے بھائی خان عزت و شرف و وقار سے
معمول زندگی رہا ہے تیرا زہد و طاعت
بے خوف نہ رہا کبھی یوم شمار سے
تا کا قضا و قدر نے تجھ کو ہے دور سے
آئیں شکار کھیلنے عدم دیار سے
سب سے الگ بنا لیا ہے تو نے اپنا گھر
منہ موڑ کر اقارب و احباب و یار سے
دار لفنا کو چھوڑ کر دارلبقا بسے
دل کو بہلایا حور و بہشتی بہار سے
خوش نصیب خلد میں تجھ کو جگہ ملی
حاصل تمہیں ہیں نعمتیں دارالقرار سے
ہاتف نے مغفرت کے یہ بارے میں دی خبر
پایا بہشت آپ نے۔'لطف غفار' سے
پسماند گاں کو صبر کی توفیق دے خدا
سایہ ہو سر نوابؔ فضل کردگار سے

* بھائی خان نوابؔ سیال کا دوست تھا (ا) ۱۳۱۵ھ (ب) ۸۵ سال (ج) ۱۴۰۰ھ (۲۲)

حواشی و حوالہ جات

۱۔ نوابؔ سیال، نواب علی ”پوڑی نادر شاہ“۔ قلمی، تصویری عکس مملوکہ راقم:۔ ص ۱۹۱

۲۔ آصف خان، محمد، 'پوکھو' مشمولہ ' 'نادر شاہ دی وار“ تحقیق، نوابؔ سیال، پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، لاہور ۱۹۸۹ء: ص ۹

۳۔ فقیرؔ، ڈاکٹر فقیر محمد، ”واراں“ سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور: ص۱۱۸

۴۔ پنجابی شاعری میں ’وار‘ کی اصطلاح رزمیہ نظم (Epic) کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ وار کا لفظ سنسکرت ’Root ور‘ سے نکلا ہے اور اس کے معنی ’وار کرنا‘ یا ’بدلہ لینا‘ کے ہیں یا اس کا ’Root ورت‘ بھی بیان کیا جاتا ہے جو ’بیان کرنا‘ کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ وار کا موضوع لڑائی اور بہادر سورماؤں کی تعریف ہے۔ جبکہ جنگ نامہ کا بھی یہی موضوع ہے فنی لحاظ سے ’وار‘ اور جنگ نامہ مختلف ہیں۔ جنگ نامہ مثنوی، بیت یا سی حرفی ہیئت میں ہوتا ہے لیکن ’وار‘ کے لیے الگ سے ’نشانی‘ یا ’دوانگی‘ اور ’سرکھنڈی‘ چھند مقرر ہیں۔ اکثر واریں انہی دو چھندوں میں لکھی گئی ہیں ’پوڑی‘ بھی عام طور پر وار کے معنوں میں لی جاتی ہے لیکن ’پوڑی‘ دراصل وار میں شامل ہر بند (Stnanza) کو کہا جاتا ہے اور ایک وار کئی کئی پوڑیوں پر مشتمل ہو سکتی ہے۔

۵۔ نواؔب سیال، نواب علی، ”ان تلے موتی“، تحقیق و تدوین ظفر حسین ہرل، شعبہ اردو بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان، ۲۰۱۱ء

۶۔ نواب سیال، ۲۰۱۱ء: ص ۱۴

۷۔ ایضاً: ص ۱۶

۸۔ ایضاً: ص ۲۰

۹۔ ایضاً: ص ۱۷

۱۰۔ ایضاً: ص ۱۸

۱۱۔ ایضاً: ص ۲۰

اس پہیلی کی بوجھ خود نوابؔ نے اپنی بیاض مملوکہ حاجی منظور احمد سیال میں یوں تحریر کی ہے

بوجھ	=	اللہ
کیسے؟		
اللہ۔ چار حروف ا ل ل ہ	=	چار بُرج
حرفوں کے اعداد کا مجموعہ	=	۱ +۳۰+ ۳۰+ ۵=۶۶
	=	چھیاسٹھ مینار

(i) الحمدُللہ میں اللہ کا الف نہیں (تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں)۔ یہاں ایک برج یعنی اللہ کا الف حذف کر کے اپنے آپ کو اللہ نے للہ کہا گویا قلعہ کا پہلا برج مسمار

(ii) لا شریک لَہٗ میں الف اور لام دو حروف حذف (اللہ کا کوئی شریک نہیں) گویا دو برج مسمار، اللہ نے اپنے آپ کو لَہٗ کہا

(iii) ھُ السماوات والارض (اللہ ہے آسمانوں اور زمینوں کا 'بادشاہ') میں الف اور دونوں لام حذف گویا تین برج مسمار، اللہ نے اپنے لیے اسم ضمیر ھُ استعمال کیا ہے۔

یہاں تین برج جو کہ تین حروف الف، لام اور لام ہیں، حذف کرنے سے قلعہ قائم ہے ساتھ ہی ان تین حروف کے اعداد کا مجموعہ ۶۱ بنتا ہے یعنی ۶۱ مینار بھی مسمار کر دیے جا ہیں تب بھی قلعہ موجود ہے۔

۱۲۔ نواب سیال، نواب علی، ۲۰۱۱ء: ص ۲۱

۱۳۔ ایضاً: ویروا

۱۴۔ ایضاً: ص ۲۲

۱۵۔ فقیر، ڈاکٹر فقیر محمد، "واراں"، سنگ میل پبلیکیشنز لاہور، ۱۹۹۹ء: ص ۱۷

۱۶۔ 'دوآبہ' سے مراد دو پانیوں کے درمیان کی زمین یا علاقہ ہے جیسے 'دوآبہ رچنا' دریائے راوی اور دریائے چناب کا درمیانی علاقہ ہے۔ ان دوآبوں میں قدیم جنگلوں اور اونچی جگھوں کو 'بار' کے نام سے پکارا جاتا تھا جیسے 'ساندل بار' جو دوآبہ رچنا کا مشہور جنگل تھا اور 'کڑانہ بار' جو دریائے چناب اور دریائے جہلم کے درمیان جنگل کا قدیمی نام ہے اسی طرح 'گنجی بار' وغیرہ۔ یہ جنگل اس زمانے کی یادگار ہیں جب چناب کے پانیوں پر حسن و عشق کی لازوال داستان 'ہیر رانجھا' جس کو پنجاب کے ایک سپوت وارث شاہ نے امر بنایا، لکھی جا رہی تھی اور ایسٹ انڈیا کمپنی ہندوستان پر اپنا غاصبانہ قبضہ مکمل کر چکی تھی۔ انیسویں صدی کی آخری دہائیوں میں جب برطانوی حکومت نے پنجاب کی سرزمین کو اپنی غذائی ضروریات کی کفالت کے لیے 'کینال کالونی' میں تبدیل کرنے کا فیصلہ کیا تو ساندل بار کے سب سے زرخیز علاقہ میں لائلپور (فیصل آباد) شہر کی بنیاد رکھی گئی، اس شہر کا نقشہ 'یونین جیک' کے جیومیٹریکل ڈیزائن پر بنایا گیا اور مرکز میں گھنٹہ گھر تعمیر ہوا جس پر درج ہے کہ ساندل بار کی عوام نے قیصرِ ہند ملکہ وکٹوریہ کے اعزاز میں یہ عمارت تعمیر کی۔ 'ساندل بار دی وار' پنجاب کو کینال کالونی بنائے جانے اور لائلپور کی تعمیر کی منظوم تاریخ ہے۔

۱۷۔ نواب سیال، نواب علی 'وار ساندل بار' مشمولہ تماہی 'پنجابی ادب' شمارہ نمبر ۱۰، اپریل، مئی، جون ۱۹۸۹ء لاہور: ص ۳۶

۱۸۔ نواب سیال، ۲۰۱۱ء: ص ۲۴۹ تا ۲۹۶

۱۹۔ ایضاً: ص ۱۸۱

۲۰۔ ایضاً: ص ۴۴

۲۱۔ ایضاً: ص ۹۷

۲۲۔ نواب سیال، نواب علی، خطی نسخہ جات، تصویری عکس مملوکہ راقم۔